© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اشارات

گذشتہ دو ماہ کے "اشارات" میں ہم نے حکمران طاقت کو اُن ذمہ داریوں اور مطلوبہ تغیرات کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے جن کا تقاضا نیا دستور کرتا ہے۔ اس مرتبہ ہم اپنا روئے سخن پاکستان کے عوام اور شہریوں کی طرف پھیرتے ہیں۔

دستور کا خیر مقدم جس جذبہ و جوش کے ساتھ عوام نے کیا ہے اور "یومِ جمہوریہ اسلامیہ پاکستان" کی تقریب جس دلی ذوق و شوق سے منائی ہے، اس کا انہیں فی الواقع حق پہنچتا تھا۔ "یومِ آزادی" کی سرکاری تقریب کے مقابلے میں یہ تقریب صحیح معنوں میں عوامی تھی اور اسی وجہ سے اس کا معیار اور پیمانہ زیادہ اونچا رہا۔ پاکستان کی ایک ایک مسجد میں اسلام اور پاکستان اور ملت کی سربلندی کے لیے دعائیں مانگی گئیں، دستور کے موضوع پر جامع مساجد میں خطبات دئے گئے، جلسوں میں اسلامی نظام پر تقریریں کی گئیں، شکرانہ کے نوافل پڑھے گئے غریبوں کو کھانے کھلائے گئے اور مختلف اسالیب سے لوگوں نے اپنے جذباتِ مسرت کا اظہار کیا۔

یہ فی الواقع ایک حقیقی مسرت کا موقع تھا۔ ہماری سیاسی و قومی تاریخ میں ایک بڑا دن ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کا تھا اور اب دوسرا بڑا دن ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کا دن قرار پایا ہے۔ اُس دن ہمارے جغرافیے میں ایک تبدیلی واقع ہوئی تھی اور اِس دن سے ہماری تاریخ میں تغیر آرہا ہے۔ اُس دن زمین کی لوح پر نئی لکیریں کھینچی گئی تھیں اور اس دن ہماری زندگی کے نامۂ تقدیر پر نئے نقوش نمودار ہو رہے ہیں۔ اُس دن ملی زندگی کا محض نیا قالب کھڑا کیا گیا تھا، اور اِس دن اُس قالب میں اصول و مقصد کی رُوح پھونکی جارہی ہے۔

نئے دستور میں اگرچہ خوبیاں ہی خوبیاں نہیں، قابلِ اصلاح خرابیاں بھی موجود ہیں، لیکن جن وجوہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا خیر مقدم پوری گرم جوشی کے ساتھ کیا گیا ہے، وہ یہ ہیں:

— آزاد ہونے کے باوجود آٹھ برس کی لمبی مدت تک ہمارا اپنا کوئی دستور نہ تھا اور ہم ایک غیر قوم کے متروک دستور کے تحت لشتم پشتم کام چلا رہے تھے۔ زندگی کے لیے کوئی نظریہ نہ تھا، عمل کے لیے نصب العین کی کوئی منزل نہ تھی، منزل تک لے جانے والا راستہ متعین نہ تھا، تعمیر کا کوئی نقشہ طے نہ تھا، گویا ہم اندھیرے میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ اب ہمارے ہاتھوں میں اپنا بنایا ہوا ایک دستور ہے، اس دستور میں ایک ملی نصب العین طے کر دیا گیا، اس نصب العین کے اصولی تقاضے متعین کر دئیے گئے ہیں اور بہ حیثیت ایک مسلم ملت کے ہم نے مطلوبہ تبدیلیوں کو اس دستوری نقشے میں سامنے رکھ لیا ہے۔ اب ہم خدا خدا کر کے دنیا کی آزاد اقوام سے آنکھیں چار کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔

— ہماری آزادی اور ہماری حاکمیت ۲۲ مارچ ۱۹۵۶ء کی نیم شب تک ملکہ برطانیہ کی نمائندگی کرنے والے، "فرد واحد" کے پاس رہن تھی اور اب ۲۳ مارچ سے اس کا فک رہن عمل میں آیا ہے۔ اس سے قبل ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے رو سے سرے سے ہمارا کوئی شہری حق نہ تھا، اب پہلی مرتبہ ہم دستوری حیثیت سے کچھ نہ کچھ شہری حقوق کے مالک ہوتے ہیں اور ایک آزاد ریاست کے شہریوں کے مرتبے کو پہنچے ہیں۔

— گومگو کا ہشت سالہ دور جس میں ایسے مواقع پیدا ہوئے کہ آمریت اپنے ڈراؤنے چہرے کے ساتھ قومی زندگی کے دروازے سے آکر جھانکتی رہی، اس دستور کے نفاذ کے ساتھ ختم ہو گیا۔

— سب سے بڑھ کر یہ کہ اس دستور میں خدا کی حاکمیت کے اقرار کے ساتھ یہ بنیادی اصول مان لیا گیا کہ قانون سازی کا اساسی سرچشمہ اور معیارِ فیصلہ کتاب و سنت کی شریعت ہو گی۔ یہ اسلامی رجحان کی ایک کھلی کھلی فتح ہے الحاد پسند مغرب زدہ عناصر پر۔ باوجودیکہ اس اصول کو عمل میں لانے کے لیے جو طریق کار تجویز کیا گیا ہے وہ حد درجہ ناقص اور ڈھیلا ڈھالا ہے، تاہم ایک مسلمان قوم کے اندر اس اصول کے طے پا جانے کے بعد کسی طاقت کی یہ مجال نہیں ہو سکتی کہ وہ کتاب و سنت کے خلاف قانون سازی کرتی چلی جائے۔

یہ چند ایسے کھلے کھلے وجوہ ہیں جنھوں نے ۲۳ مارچ کی تقریب پر عوام کے دلوں میں ایک نئی روح دوڑا دی ہے

© rasailojaraid.com

دستور — اور بڑی حد تک جمہوری و اسلامی دستور — حاصل کر لینے کے اس عظیم الشان واقعہ میں چند قیمتی سبق پوشیدہ ہیں، عوام کو چاہیے کہ ان قیمتی اسباق کو اخذ کریں۔

پہلا سبق یہ ہے کہ اگر کسی ملک کے عام لوگ ایک مطالبۂ حق پر جم جائیں اور کسی حال میں اسے چھوڑنے اور بھلا دینے پر تیار نہ ہوں تو کسی ٹال مٹول، کسی سازش اور کسی تشدد سے ان کا راستہ نہیں روکا جاسکتا۔ بڑی سے بڑی طاقت اور سرکش سے سرکش قیادت کو ایک نہ ایک دن اس کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔

دوسرا سبق یہ ہے کہ سیاست کے دائرے میں کوئی مقصد بغیر اس کے حاصل نہیں ہوتا کہ مختلف جماعتیں اور عناصر اور عام لوگ چھوٹے چھوٹے اختلافات اور نزاعات کو بالائے طاق رکھ کر آپس میں متحد ہوں، مل جل کر جدوجہد کریں اور منظم طریقے سے اپنا مطالبہ سامنے لائیں۔

تیسرا سبق یہ ہے کہ پُرامن آئینی جدوجہد سے وہ کچھ حاصل ہوتا ہے جو خلاف قانون تخریبی طریقوں اور غیر اخلاقی ہنگامہ آرائیوں اور اندھے جوش کے طوفانوں سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ پاکستان کی تاریخ میں شورش انگیزی اور ہڑبونگ کے ذریعے سے آج تک جو نتائج پیدا کئے جاسکے ہیں ان سب کے مقابلے میں آٹھ برس کی پُرامن اور منظم دستوری جدوجہد کا حاصل زیادہ گراں بہا ہے۔ اس گراں بہا حاصل کے لیے اگرچہ لوگوں نے نیندیں حرام کیں، مال صرف کیے، تار دیے، محضر نامے بھیجے، جلسوں میں قراردادیں پاس کیں، لیکن کہیں ایک مرتبہ بھی قانون شکنی نہیں کی گئی، نہ کسی ایک موقع پر عوام بے قابو ہوئے، چنانچہ کوئی ایک قطرۂ خون بھی نہیں گرنے پایا۔ محض نظم اور اخلاق اور دلیل کی قوت سے چار جانب سے حملہ کرنے والی سخت مخالف طاقتوں کا زور توڑ دیا گیا۔ لوگ کہتے تھے کہ تاروں اور محضر ناموں سے کیا ہوتا ہے، لیکن جمہوری لحاظ سے اچھے حالات نہ ہونے کے باوجود جمہوری و آئینی طریق کار کی اس فتح سے ملک کے تعمیر پسند عناصر کے ہاتھ مضبوط ہوگئے ہیں، اور شورش پسند طاقتوں کا وزن کم ہوگیا ہے۔

ان اسباق کو گرہ میں باندھ کر ادائے فرض کے باقی ماندہ مراحل کو بھی اتحاد، استقلال، تنظیم اور آئین پسندانہ طریق کار سے طے کرنے کا اہتمام کیجیے اور ٹھنڈے دل سے سوچیے کہ آئندہ آپ کو کس مزاج کے لیڈروں اور کس طرز کی جماعتوں کے ساتھ تگ و دو کرنا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عوام سے کہنے کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یوم جمہوریۂ اسلامیہ کا جشن منا لینے پر کام ختم نہیں ہو گیا کہ اب آپ بستر بچھا کر دراز ہو جائیں اور کمریں کھول کر چین کی نیند سو جائیں بلکہ اصل کام کا آغاز ۲۳ مارچ سے ہو رہا ہے۔ اب تک تو سارا جھگڑا قومی زندگی کے نقشۂ تعمیر پر تھا۔ نقشۂ تعمیر کے طے پائے بغیر ایک اینٹ بھی نہیں رکھی جا سکتی رکھی جاتی تو محنت کا صرف بے جا ہوتا۔ اب نقشۂ تعمیر کے طے پا جانے پر عملاً عمارت کو اٹھانے کا کام شروع ہو رہا ہے۔ آٹھ برس سے زندگی کے مستقبل کی عمارت کے بارے میں یہ بحث چل رہی تھی کہ آیا اسے ایک میکدہ ہونا چاہیے، صنم خانہ ہونا چاہیے، کلب ہاؤس ہونا چاہیے یا ایک دارالاسلام ہونا چاہیے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ لمبی بحث ان لوگوں کے حق میں فیصل ہو گئی ہے جو پاکستان کو کتاب و سنت کے اصولوں کے مطابق اسلام کا گھر بنانا چاہتے تھے۔ اب ایک متعین نقشہ سامنے ہے، لیکن یہ نقشہ از خود عمارت میں نہیں بدل جائے گا، اس کے رہنما اصول کوئی جادو کا کرشمہ نہیں دکھائیں گے، اس کی دفعات ٹھیکیدار انجینیروں اور راج مزدوروں کا کام نہیں سر انجام دیں گی اور نہ اس کے الفاظ عمارت کے لیے مطلوبہ مسالہ بن سکتے ہیں۔ عمارت تو خود ہم ہی کو بنانی ہے، ہم ہی میں سے انجینیر اور راج اور بڑھئی بھی اٹھیں گے، ہمیں کو مزدور بن کر اس کے لیے سالہا سال مشقت کرنی ہو گی، اور ہمیں کو اپنے بہترین افکار و جذبات اور اعمال و کردار کا مسالہ اس کے لیے فراہم کر کے دینا ہو گا۔ ایک ایک ردّہ اٹھاتے ہوئے ہم ہی اسے منڈیروں اور مناروں اور کنگروں تک لے جائیں گے، تب کہیں جا کر نیکی اور سلامتی کا ایک گھر تعمیر ہو گا جس کے سایے میں ہم اور ہماری آئندہ نسلیں سکھ پا سکیں۔ یہ ایک عالم نو کی تعمیر کا کام ہے اور یہ جبھی ہو گا کہ بچہ بچہ صحیح احساسِ فرض سے سرشار ہو کر اٹھ کھڑا ہو اور خون پسینہ ایک کر دینے کے لیے تیار ہو جائے ورنہ اگر ہم لوگ سو گئے تو جب بھی آنکھ کھلے گی بجز ایک کاغذ کے پرزے کے اور کچھ ہمارے سامنے نہ ہو گا۔

خوب سمجھ لیجیے کہ ہمارے دستور میں خوبیاں بھی ہیں اور نقائص بھی۔ وہ روشن رخ بھی رکھتا ہے اور تاریک پہلو بھی! اس کے روشن رخ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی مخلص طاقت برسرِ عمل ہو تو وہ پورے کا پورا اسلام قائم کر سکتی ہے اور یہ دستور اس کے ہاتھ نہیں باندھتا۔ اس کے تاریک پہلو کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی فرار پسند طاقت کارفرما ہو تو وہ دستور کے تقاضوں سے انحراف کر سکتی ہے، ٹال مٹول سے کام لے سکتی ہے اور یہ دستور اس کو کسی تعمیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صالح پر مجبور نہیں کرتا۔

ایسے دستور پر جو ریاست بنی ہو وہ غیر معمولی حد تک مضبوط رائے عام کی محتاج ہے۔ اس میں بھلے برے کا سارا دارومدار عوام پر ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے مرکب دستور کو لے کر چلنے والی مملکت کے عوام کی ذمہ داریاں حسب ذیل ہیں:

اولاً، وہ حکومت کے تمام معاملات اور اس کے اندر ہونے والے تغیرات سے براہ راست گہری دلچسپی لیں اور مسائل کا پورا پورا شعور حاصل کریں۔ وہ اپنے کارپردازوں اور نمائندوں پر کڑی نگاہ رکھیں اور تنقید و احتساب کے فرض سے غافل نہ ہوں۔ وہ ایسی ذہنی فضا تیار کر دیں کہ جس کے ہوتے ہوئے کسی طاقت کو دستور کے اسلامی اور جمہوری تقاضوں سے انحراف کی جرأت نہ ہو سکے بلکہ اس ذہنی فضا کا دباؤ ان کو قرارداد مقاصد، رہنما اصول دستور کی صحیح روح اور اس کی دفعات کی احسن تعبیر پر کاربند ہونے کے لیے مجبور کر دے۔ اس کے لیے ناگزیر ہے کہ عوام اپنے آپ کو منظم طاقت بنائیں۔

ثانیاً، اس دستور کے روشن پہلوؤں کو غالب کرنے اور اس کے تاریک پہلوؤں کو ختم کرنے کے لیے جن ترامیم کی ضرورت ہے ان کے لیے ساری قوم اسی طرح سرگرم جدوجہد کرے جس طرح اب تک دستور بنوانے کے لیے کی گئی ہے۔ ورنہ ترمیم کے طریقے کی آسانی سے مخالفِ اسلام طاقتیں فائدہ اٹھا کر دستور کے روشن پہلوؤں کو اور کمزور بھی کر سکتی ہیں۔

ثالثاً آئندہ اس ملک میں ہونے والے انتخابات میں عوام کو بڑی فرض شناسانہ احتیاط سے اپنی رائے کا استعمال کرنا چاہیے۔ ان کی غفلت کی وجہ سے اگر خود ان کی آراء سے غلط قسم کے لوگ منتخب ہو کر برسر اقتدار آئیں اور وہ اس دستور کا ستیاناس کر کے رکھ دیں تو اس تباہی کی ذمہ داری خود قوم پر ہو گی اور حکمرانوں کے مقابلے میں عوام کی حجت ختم ہو جائے گی۔ بخلاف اس کے اگر وہ ایمان و ضمیر کی زندگی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے اندر سے ایسے لوگوں کو آگے لائیں جو دستور کے اسلامی و جمہوری تقاضوں کا شعور بھی رکھتے ہوں اور ایمان داری سے ان کو جامہ عمل بھی پہنانا چاہتے ہوں، نیز جو اصلاح کر کے اسے ایک معیاری اسلامی دستور بنا دینے کی تڑپ بھی رکھتے ہوں تو پھر نہایت تیز رفتاری سے نظامِ اسلامی کی تعمیر ہو سکے گی اور ملت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صدیوں کے ارمان بر آسکیں گے۔

ان سہ گانہ ذمہ داریوں کو ہمارے ایک ایک مسلم شہری کو اس جذبہ واحساس سے اپنے سر لینا چاہیے کہ کہ جیسے تنہا وہی حیاتِ نو کا معمار ہے، وہی اسلام کا فدا کار سپاہی ہے، وہی ملت کی فلاح و بہبود کا پاسبان ہے، وہی پاکستان کو ایک اصولی و مقصدی طاقت بنانے کا ضامن ہے۔ ورنہ اگر عام لوگ اپنی اپنی گھٹیا خواہشوں میں مگن رہیں اور اپنے اپنے انفرادی و نجی مقاصد کے درپے رہیں تو پھر آسمان سے فرشتے تو آکر ان کے حصے کے فرائض کو ادا نہیں کر جائیں گے

یہ بات بھی عوام کے ذہن نشین ہو جانی چاہیے کہ صرف حکمراں طاقت سے مطالبے کرتے رہنے سے زندگی کی تعمیر نہیں ہو جاتی بلکہ کچھ مطالبے اپنے آپ سے بھی کرنے پڑتے ہیں۔ محض یہ خواہش کرنا کہ حکومت ہمیں مسلمان بنا دے اور قانون کے زور سے ہماری اصلاح کردے کوئی نتیجہ نہیں پیدا کر سکتا، تاوقتیکہ آپ خود بھی اپنے آپ کو اپنے اندرونی جذبے سے رضا کارانہ طور پر اسلام کے تابع کر دینے پر متوجہ نہ ہوں۔ قانون کی طاقت صرف اس حد تک کارگر ہوتی ہے کہ کسی اصول و نظام پر رضا و رغبت چلنے والے معاشرے میں افراد کی جو تھوڑی سی تعداد انحراف، بغاوت اور سرکشی دکھاتی ہے اسے بزور سیدھے راستے پر ڈال دیا جائے لیکن اگر عوام بہ حیثیت مجموعی انحراف پسند ہوں تو بہتر سے بہتر قانون بھی بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ زیادہ نہیں تو کم سے کم دس پانچ فیصدی شہری تو ہمارے اندر ایسے ہونے چاہئیں کہ جو محض اپنے ایمان کے زیر اثر رضا و رغبت ہر اس مطالبے کو پورا کریں جو اسلام نے ان سے کیا ہے اور ہر اس چیز سے اجتناب کریں جس سے اسلام نے روکا ہے۔ ایسا عنصر نظامِ اسلامی کی ریڑھ کی ہڈی ہوتا ہے اور یہ آگے لگ کر اوسط درجے کے بیشتر لوگوں کو ساتھ لے چلتا ہے۔ پھر قانون کا دباؤ بہت بڑی اکثریت کے لیے کارگر ہو جاتا ہے اور جو تھوڑے سے لوگ سرکشی کرنے والے رہ جاتے ہیں ان کو تعزیر و تحدید کے آخری چارہ کار سے رو بہ اصلاح لایا جا سکتا ہے۔

ایسے ہی فرض شناس شہریوں سے بنا ہوا معاشرہ تھا جس کے بل پر مدینہ کی معیاری اسلامی ریاست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چلی اور ایسی شان سے چلی کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ برسبیل تذکرہ ان مقدس شہریوں کی قائم کردہ چند مثالیں ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

عرب کے جاہلی ماحول میں معاشقوں اور بدکاریوں کا دور دورہ تھا۔ دائرہ اسلام میں آنے والے بہت سے لوگ فسق و فجور کے ان طوفانوں میں سے غوطے کھا کھا کر نکلے تھے۔ لیکن مسلمان ہو کر جب انھوں نے ایک بار یہ تسلیم کر لیا کہ خدا اور رسول نے بدکاری کو حرام ٹھیرایا ہے تو اس کے بعد پھر کبھی ان حضرات کے قلب و نظر کا دامن تر نہ ہوا۔ حضرت مرثد ہجرت کے بعد مکہ میں رہ جانے والے کمزور مسلمانوں کو نکال لانے کے کام پر مامور کیے گئے تھے اور یہ خفیہ طور پر مکہ پہنچے وہاں عناق نامی ایک طوائف تھی جس سے جاہلیت میں ان کا رابطہ رہ چکا تھا، وہ رات کو کہیں نکلی اور حضرت مرثد کو پہچان لیا۔ دعوت دی کہ رات میرے ہاں گذاریے، لیکن انھوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ اب وہ دور گیا، اب تو زنا حرام ہو چکی!

ایک خاتون جو زمانۂ کفر میں اچھا کردار نہ رکھتی تھیں، ان کو ایک شخص نے ترغیب گناہ دلائی اور اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ ان خاتون نے جواب دیا "ہٹو، اب وہ دن گئے، اب اسلام آگیا ہے!"

حضرت ابوموسیٰ اشعری نے کسی موقع پر فرمایا "مجھے یہ پسند ہے کہ میری ناک مردار کی بدبو سے بھر جائے، لیکن یہ گوارا نہیں کہ اس میں کسی اجنبی عورت کی خوشبو پہنچے"۔

شراب کا عرب میں اتنا رواج تھا کہ گلی گلی میکدے کھلے تھے اور گھر گھر بھٹیاں لگی تھیں۔ یہ گویا عربی کلچر کا ایک اہم جزو تھی۔ چنانچہ بہت سے لوگ شراب خوری کے عادی تھے اور اسی حالت میں اسلام لے آئے۔ اسلام میں جب تک صریح ممانعت وارد نہیں ہوئی، شراب کے دور مسلمانوں میں بھی چلتے رہے۔ بس چند اونچے مرتبے کی ہستیاں تھیں جن کے اسلامی ذوق و مزاج نے حرمت کے حکم سے قبل۔ بلکہ اسلام لاتے ہی بنت عنب کو طلاق دے دی تھی۔ کچھ ایسے صحابہ بھی تھے جنھوں نے شراب نوشی پر قرآن کی ابتدائی پابندیوں سے اشارہ پا کر ہی اس بلا سے نجات پالی تھی۔ مگر بہت سے لوگوں نے شغلِ نا ونوش کو جاری رکھا۔ آخر کار سورۂ مائدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں شراب اور جوئے کی حرمت کا حکم نازل ہوا جس کا اختتام اس سوال پر تھا کہ "فھل انتم منتھون" ؟ تو کیا اب تم باز آجاؤ گے ؟

حضرت عمرؓ نے یہ دل ہلا دینے والا کلمہ سنتے ہی صدا بلند کی "انتھینا" ہم باز آئے! حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ میں ایک مجلس میں ابو عبیدہ، ابو طلحہ اور ابی بن کعب کو شراب پلا رہا تھا کہ اسی حالت میں ایک شخص نے آکر خبر دی کہ "شراب حرام کر دی گئی"! ابو طلحہ نے یہ سنتے ہی کہا "انس، اٹھو اور شراب کو زمین پر لنڈھا دو"۔ اس اعلان پر مدینہ کی ہر بزم مے پر یہی کیفیت گذر گئی۔

سودی لین دین عرب کے معاشی نظام کا ایک اہم جزو تھا، اور سود کی ممانعت سے نہ صرف یہ کہ بہت سے مہاجنوں کے کاروبار چوپٹ ہوتے تھے بلکہ کاروباری نظام پر بھی اس کا بھاری اثر پڑتا تھا اور عام لوگوں کے لیے حصولِ قرض میں دقتیں پیدا ہوتی تھیں۔ مگر سود کی حرمت کا جب ایک بار قطعی حکم صادر ہو گیا تو اس کے مطابق جاہلیت کی تمام واجب الوصول رقوم سود قرض خواہوں نے ساقط کر دیں اور صرف اصلِ زر پر اکتفا کیا۔ حد یہ کہ وہ معاملات جن میں سود کا شبہ بھی ہوتا تھا، ان سے پورا پورا اجتناب کیا جانے لگا۔ حضرت مالک بن اوس نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے ساتھ اشرفیوں کے عوض روپے کا تبادلہ کرنا چاہا، حضرت طلحہ نے اشرفیاں اٹھالیں اور کہا کہ ابھی خزانچی آجائے تو روپے کی ادائیگی کر دی جائے گی۔ حضرت عمرؓ پاس ہی سن رہے تھے، مالکؓ سے کہنے لگے "دیکھو روپیہ لیے بغیر نہ اٹھنا، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ سونے کے بدلے میں چاندی اگر دست بدست نہ لی جائے تو سود ہے"۔

حضرت معمر بن عبداللہ نے اپنے غلام کی معرفت بازار سے ایک صاع گیہوں کے بدلے جو منگایا، جو ایک صاع سے زیادہ نکلا۔ انھوں نے فوراً جو واپس کر دیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ غلہ کو غلہ کے عوض برابر سرابر لینا دینا چاہیے۔ پس مجھے خوف ہے کہ یہ سود کے مشابہ نہ ہو جائے۔

عرب کے جاہلی معاشرے میں عورتیں پردہ کے حدود سے ناآشنا تھیں اور کھلے بندوں پھرتیں بلکہ مخلوط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجالس اور تقاریب میں دھڑلے سے شریک ہوتیں۔ اسلام میں آنے والی خواتین ذہنی انقلاب کے تحت ازخود بے حیائی سے دور ہو کر عصمت مآبی کے مرتبے پر آگئی تھیں، لیکن پردہ کا قانون معاً نافذ نہیں ہوا بلکہ تدریجاً احکام دئے گئے۔ اس معاملے میں بالعموم جاہلی کلچر یہ تھا کہ عورتیں سر پر ایک خاص طرز کے کساوے باندھتیں اور جوڑے کی طرح اس کی گرہ نیچے چوٹی پر لگائی جاتی۔ گریبان کھلے رہتے اور گلے کے ساتھ سینے کا ایک حصہ نمایاں رہتا۔ چھاتیوں پر صرف قمیص ہوتی، اور کوئی انتظام نہ تھا۔ دو دو تین تین چوٹیاں پیچھے لہراتی رہتیں۔ سورۂ نور میں عورتوں کے لیے حکم آیا" اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں"۔ اس حکم کو سن کر برسوں کے بگڑے ہوئے ذوق اور کلچر کے باوجود مسلم معاشرے کی خواتین کے ماتھے پر بل نہ آئے، اس پر ردو کد نہیں کی گئی، اس پر یہ احتجاج نہیں کیا گیا کہ یہ تو عورتوں کی آزادی میں بے جا مداخلت ہے اور اس سے تہذیب کے دامن پر تنگ خیالی کا داغ لگ جائے گا، اس سے نکلنے کے لیے چور دروازے نہیں تلاش کیے گئے، بلکہ مسلم خواتین نے پابندیٔ قانون کی ایک امٹ مثال قائم کر دی۔ لوگوں نے جونہی اپنے گھروں میں جا کر خدا کے اس قانون کا ذکر کیا تو عورتوں میں فوراً ایک سرگرمی پیدا ہو گئی، ایک ایک خاتون نے تعمیلِ حکم کے لیے جو کچھ انتظام ممکن تھا آناً فاناً کر لیا۔ کسی نے فوراً اپنا کمر پٹہ کھول کر سر و سینہ پر ڈال لیا، اور کسی نے چادر سے دوپٹہ بنا کر اسی وقت اوڑھ لیا۔ اس تعمیلِ حکم میں باریک دوپٹے بنا کر کسی نے دانستہ خیانت نہیں کی کہ حکم بھی پورا ہو جائے اور حسن و جمال نمایاں بھی رہے۔ ناسمجھی سے کسی نے باریک دوپٹہ لیا تو سرورِ عالم نے بالاختصاص اس کی اصلاح کر دی۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ اگلی صبح کو جتنی عورتیں نماز کے لیے مسجد نبوی میں آئیں۔ تمام کی تمام دوپٹے اوڑھے ہوئے تھیں، بلکہ بعض خواتین نے تو اپنے آپ کو سیاہ چادروں سے پوری طرح ڈھانپ رکھا تھا۔ حضرت عائشہؓ مزاحاً فرماتی ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کہ ان کے سر کووں کے آشیانے بن گئے ہیں۔ اور یہی چادریں دورِ مابعد میں تھوڑی سی خیاطی سے برقع کی صورت اختیار کر گئیں۔

اسلام کا جو ضابطہ تجارت نافذ کیا گیا تھا اس کا ایک قاعدہ یہ تھا کہ شہری لوگ (خصوصاً دلال اور آڑھتی) قابلِ فروخت مال لانے والے دیہاتیوں ۔۔۔۔ سودے نہ کیا کریں۔ اس کا مدعا یہ تھا کہ دیہاتی لوگ منڈی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نرخ سے بے خبر ہونے کی وجہ سے نقصان نہ اٹھائیں اور بازار میں گاہکوں کی مانگ اور ان کی باہمی مسابقت کے زیرِ اثر طلب و رسد کا فطری قانون ان کو جو فائدہ پہنچا سکتا ہے اس سے محروم نہ رہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک بدو اپنا مال بیچنے کے لیے حضرت طلحہ بن عبیداللہ سے ملا انھوں نے کہا کہ میں اس طرح تم سے مال نہیں خرید سکتا، تم بازار میں جاؤ، خریداروں کی تلاش کرو، میں جو مفید مشورہ دے سکتا ہوں، دوں گا۔

نبی اکرمؐ نے مسلمان مردوں کے لیے ریشمی لباس کو ممنوع فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے ایک مرتبہ بازار سے کپڑا خریدا۔ بعد میں دیکھا تو اس میں ریشمی دھاگہ بھی استعمال ہوا تھا، فوراً واپس کر دیا۔

اموالِ یتامیٰ کے بارے میں خدا کے قانون نے جس دن یہ انتباہ دیا کہ جو لوگ ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں تو معاً اسلامی ریاست کے شہریوں نے یتیموں کے اموال اپنے اموال سے بالکل الگ کر دیئے کہ مبادا غلط فہمی میں رزقِ حلال کے ساتھ حرام کی آمیزش ہو جائے۔

یہ بے شمار درخشاں مثالوں میں سے یہ چند مثالیں ہم نے پیش کی ہیں۔ ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی ریاست کیسے لوگوں کے دم قدم سے قائم ہوتی ہے اور اسلامی نظام کے اصل معمار کس سیرت و کردار کے لوگ ہوتے ہیں۔ جماعت اسلامی اول روز سے اپنے پروگرام کے جس جزء کو سب سے زیادہ اہمیت دے کر کام کر رہی ہے وہ یہی ہے کہ معاشرہ میں سے ایسے آدمی چھانٹ چھانٹ کر منظم کیے جائیں اور تعلیم و تربیت سے مزید تیار کیے جائیں جن کو کسی چیز پر کاربند کر دینے کے لیے بس یہ علم کافی ہو کہ فلاں بات کو خدا اور رسول نے چاہا ہے اور جن کو کسی چیز سے روک دینے کے لیے بجز اس اطلاع کے اور کسی طاقت کے استعمال کرنے کی ضرورت نہ پڑے کہ کتاب و سنت کے قانون میں یہ حرام اور ممنوع ہے۔ خدا کا بڑا احسان ہے کہ اس گئے گذرے دور میں بھی ہمارے خستہ حال معاشرے کے اندر سے ایسے افراد برابر نکلنے چلے آرہے ہیں اور مزید کوشش اگر جاری رہے تو یہ عنصر قوم کے اندر موثر ترین طاقت بن سکتا ہے۔ چاہیے یہ کہ نئے اسلامی دستور کا خیر مقدم ہمارے عوام کی زیادہ سے زیادہ بڑی تعداد اس انقلابی جذبے سے کرے کہ بس اب ہم نئی زندگی کا آغاز کر رہے ہیں، ہمارے اندر سے ایسے لوگ ابھرنے چاہئیں جو بول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوچیں کہ ہم ایک اسلامی ریاست کے شہری ہیں اس لیے کسی سے دھاندلی نہیں کر سکتے، ہم ایک اسلامی نظام کے ملازم ہیں لہٰذا رشوت نہیں لے سکتے، ہم ایک پاکیزہ تمدن کے معمار ہیں لہٰذا ناچ گانوں سے دلچسپی نہیں لے سکتے، ہم دنیا بھر کے سامنے حق کی گواہی دینے والے ہیں اس لیے گھٹیا اخلاق کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔

ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ اب اپنی ریاست کے بارے میں قوم اپنے نقطۂ نظر کو یکسر بدل دے اور اس کے ساتھ اس طرز کا معاملہ کرے جیسا کہ اسلامی ریاست کا استحقاق ہے، حکمراں طاقت اور برسرِ اقتدار افراد سے چاہے کتنے بھی اختلافات ہوں اور ان کے کسی نظریے، ان کے کسی طرزِ عمل، ان کی کسی پالیسی سے کیسی ہی شدید بیزاری کیوں نہ ہو، اسلامی ریاست کے جو حقوق اپنے شہریوں پر آتے ہیں وہ کسی حال میں سلب نہیں ہوتے۔ آپ غلط کاموں اور غلط خیالوں کے خلاف احتجاج کرنے اور غلط افراد کو بدلنے کی ساری کوششوں کے ساتھ ساتھ ان حقوق کی ادائی میں فرق نہ لائیں جو اسلامی ریاست کی طرف سے عائد ہوتے ہیں اور جس کے لیے ہم میں سے ہر فرد کو خدا کے حضور کل جواب دہ بھی ہونا ہے۔

اب یہ ریاست صرف ہماری قوم کا وطن نہیں، بلکہ اسلام کا گھر ہے۔ اسلام کا گھر ہونے کی وجہ سے اب اس کا تقدس تقاضا کرتا ہے کہ ہم اس کے ایک ایک ذرۂ خاک کے محافظ ہوں اور اس پر کسی دشمن کی پرچھائیں بھی نہ پڑنے دیں۔ اب اس کا خزانہ، اس کا مال اور اس کے املاک خدا کی امانت ہیں اور ہم میں سے ہر مسلم شہری کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مال کو اپنے نفس کی دستبرد سے بھی بچائے اور دوسروں کے دستِ خیانت سے بھی اس کی حفاظت کرے۔ اب اس ریاست کی کسی ڈیوٹی اور خدمت کو (جو کتاب وسنت کے قانون سے نہ ٹکراتی ہو) وفاداری اور انہماک سے سرانجام دینا ایک دینی و شرعی فریضہ ہے اور ایک عظیم ترین پیمانے کی اجتماعی نیکی میں حصہ داری کے ہم معنی ہے۔ اب اس کی خدمت کرنا محض پیٹ کی ضرورت نہیں، بلکہ ایمان کا تقاضا ہے۔ اب اس ریاست کے قوانین (معروف کی شرط کے ساتھ) کی اطاعت کرنا عین مذہب و تقویٰ کا معاملہ ہے۔ اب اس ریاست کی ہر معروف سرگرمی میں دل و جان سے تعاون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنا، اس کے ماحول کو ہر منکر سے پاک کرنے کی سعی کرنا، اور اس کے حکمراں جو قدم بھی اسلام کے رُخ پر اٹھائیں اس میں دل وجاں سے ان کا ساتھ دینا ایک ایک مسلمان کا فرضِ منصبی قرار پاگیا ہے۔

عوام کو چاہیے کہ اب وہ اس نقطۂ نظر کے ساتھ اپنی ریاست سے معاملہ کریں۔

عامۃ الناس کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلانا اور ان پر انہیں کاربند کرنا دراصل معاشرے کے ذہین عناصر کا کام ہے۔ یہ فریضہ ہمارے سیاسی رہنماؤں، ہمارے ادیبوں اور شاعروں، ہمارے صحافیوں، اور مصنفوں اور ان سب سے بڑھ کر علمائے دین پر عائد ہوتا ہے۔ یہاں ہم خصوصیت سے علمائے دین کو ان کے گراں بہا فرض کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں، کیونکہ ایک اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرے کی تعمیر میں سب سے زیادہ حصہ انہی لوگوں کو ادا کرنا پڑتا ہے جو اسلام میں مرتبہ علم و تفکر رکھتے ہوں۔ ذہنی لحاظ سے تاریخ کی باگ ڈور اسلامی پاکستان میں انہی حضرات کو تھامنی ہے، بشرطیکہ وہ اس منصب عظیم کے مطالبات پورے کرسکیں۔

اس منصبِ عظیم پر کچھ قابلِ قدر کام کر دکھانے کے لیے اولین ضرورت نئے وسیع اور بلند تر ذہن کی ہے۔ اجتماعی زندگی کے بناؤ سنوار کا کام کرنے والوں کو چھوٹے چھوٹے گروہی مقاصد سے بالاتر ہوکر اور جزئی اختلافات کو درکنار رکھ کر باہمی تعاون سے کام کرنا پڑتا ہے۔ اس منصب پر آکر بات بات پر فرقہ آرائیاں اور تکفیر و تفسیق کے مشغلے جاری نہیں رکھے جاسکتے۔ اور اگر ان مشاغل کو جاری رکھا گیا تو دینی صفوں کا انتشار لادینی طاقتوں کو اسلامی دستور بن جانے کے باوجود موقع مہیا کردے گا کہ اب تک کا کیا کرایا غارت ہوجائے اور کسی نظامِ باطل کے لیے چوپٹ راستے کھل جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر علماء کے لیے اسلام کا نام تک لینے کے مواقع نہ رہیں گے اور اس کی ذمہ داری عند الناس بھی اور عند اللہ بھی انہی کے سر ہوگی۔ آج جو عالمِ دین اپنا فرض نہیں پہچانتا اور چھوٹے چھوٹے جزئی امور پر ہنگامہ آرائیاں کرتا ہے، اور کسی کے ایمان و احترام سے کھیلتا ہے اور گروہی محاذ کھولتا ہے وہ دانستہ نہیں تو نادانستہ کئے کرائے کو غارت کرنے کے درپے ہے۔

اسی طرح اس منصبِ عظیم پر کام کرنے والوں کو اب لوگوں کو خوش کرنے والے وعظوں، مناظروں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فتوے بازیوں کے کھیل تماشے بند کرکے نہایت سنجیدگی سے عوام کے ذہن و کردار کی تعمیر کا خشک اور ٹھوس کام کرنا چاہیے اور اپنے کام کا جائزہ اس پیمانے سے لینا چاہیے کہ کتنی زندگیاں بدلیں، کتنے لوگوں کو الحاد اور فسق و فجور، حرام خواری اور بدکاری کے طوفان میں ڈوبنے سے بچا نکالا، کتنے ذہنوں اور کتنے گھروں میں انقلاب پیدا کردیا۔ اب ضرورت ہے کہ لوگوں کو چھچھلے پن اور دماغی تفریح کی مزید خوراکیں دینا بند کرکے ان کو سنجیدگی، وقار، نظم اور شائستگی کا درس دیا جائے۔ ان کی زبان، بول چال، نشست و برخواست، سیاسی سرگرمیوں معیشت اور گھریلو زندگیوں کو اسلام کے مطابق مہذب بنایا جائے۔

پھر یہ منصبِ عظیم یہ تقاضا بھی کرتا ہے کہ علمائے کرام اپنے خطابات، اپنے درس، اور اپنے علمی کاموں کا دائرۂ اثر وسیع تر کریں اور اجتماعی زندگی کے تمام مسائل کو اپنا موضوع بنا کر کام کریں، کیونکہ اب پوزیشن یہ نہیں ہے کہ ایک غیر اسلامی نظامِ تمدن میں محض اسلام کا نام زندہ رکھنے کا سوال ہو بلکہ اب تو خود اسلامی تمدن کی تعمیر کی جانی ہے اور اس کے لیے علم و فکر کا مسالہ فراہم کرنا ہے۔

ان گذارشات کے ساتھ یہ انتباہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی زندگی کے محل پر "جمہوریہ اسلامیہ پاکستان" کا بورڈ آویزاں کرکے ہمارے حکمرانوں، لیڈروں، علما اور ہم عام لوگوں نے ذمہ داریوں کے پہاڑ اپنے سر لے لیے ہیں۔ ہم نے ایک بڑا بول بولا ہے، ایک بھاری دعویٰ کیا ہے، اور اب اس بول اور اس دعوے کی لاج رکھنا ہم پر واجب ہوگیا ہے۔ اب ہم قومی حیثیت میں جو جو اقدامات کریں گے وہ سب کے سب دنیا کی نگاہوں میں اسلام سے منسوب ہوں گے۔ اب ہماری غلطیاں اور بدکرداریاں اسلام کو بدنام کرنے کا موجب ہوں گی۔ اب اندرونِ ملک بھی اور بیرونِ ملک بھی ہماری عملی سرگرمیوں کو اسی حیثیت سے لیا جائے گا کہ یہی اسلام کی تعلیم ہے اور یہی وہ نظام ہے جو کتاب و سنت نے دیا ہے۔ اب اگر اسلامی نظام کی تاسیس و تعمیر کا اعلان کردینے کے بعد اپنی کوتاہیوں اور نالائقیوں کی وجہ سے ہم ناکام رہ جاتے ہیں تو ہماری یہ ناکامی دنیا کو اور خود مسلمانوں کو سرے سے نظریۂ اسلامی سے مایوس کردے گی، وہ تاریخی حرکت جو تمام عالمِ اسلامی کی نئی نسلوں میں اسلام کے حق میں برپا ہے اس پر اوس پڑ جائے گی اور مغرب کی ملحدانہ مادی تہذیب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نجات پانے کے لیے امید کا کوئی راستہ باقی نہ رہے گا۔

اب ہم کسی کے غلام نہیں، ہمارے اوپر کسی غیر کا تسلط نہیں، ہمارے راستے میں کسی غیر مسلم اکثریت کی سیاسی طاقت سدِ راہ نہیں، اسلام پر عمل پیرا ہونے میں اب کوئی دستوری روک حائل نہیں، ہم آزاد قوم ہیں، خود مختار ریاست ہیں اور اسلام پر ایمان رکھنے والوں کی بھاری اکثریت ملک میں رکھتے ہیں۔ اب بھی اگر جان بوجھ کر ہم قانونِ الٰہی سے انحراف جاری رکھتے ہیں اور اب بھی اگر خواہشِ نفس کے تحت غیر اسلامی نظریات و رجحانات کا دامن تھام کر چلتے ہیں تو یہ روش اسلام سے غداری اور نفاق کی روش ہی ہوسکتی ہے۔ مسلمان کہلا کر اور اسلام کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر پھر جو طاقت آزادی و اختیار کی حالت میں غداری و نفاق کی روش اختیار کرتی ہے اس کے لیے قانونِ الٰہی بڑا ہی سخت ہے، ایسی قوم کی آزادی تو کجا، سرے سے اس کا وجود ہی ختم کر دیا جاتا ہے۔ یوں بھی تاریخی تجربات اور تمدنی قوانین سے یہ حقیقت قطعی طور پر ثابت ہے، کہ غداری و نفاق میں مبتلا ہونے والی قومیں ترقی، آزادی اور زندگی سے محروم کر دی جاتی ہیں۔

پس ہماری آزادی اور ہمارا اسلامی دستور جہاں ہمارے لیے بڑی قابلِ قدر نعمت ہیں وہاں ایک سنگین آزمائش بھی ہیں۔ ہم سب کو پوری جدوجہد کرنی چاہیے کہ ہم اس آزمائش میں ناکام نہ ہوں اور اس نعمت کا کفران کر کے اپنی دنیا و عاقبت کو تباہ نہ کرلیں۔ خدا ہماری مدد کرے، ہمیں سہارا دے، ہمیں ایمان و عمل کی صلاحیتیں دے اور ہمارے ہاتھوں تاریخ میں ایک دورِ سعادت کا افتتاح کرائے۔ وباللہ التوفیق!

اس موقع پر اچانک جدا ہوجانے والے ایک رفیق کی یاد ذہن میں تازہ ہے جس نے اسلامی دستور کی جدوجہد میں دماغ اور زبان اور قلم اور ہاتھ پاؤں سے پورا پورا حصہ ادا کیا اور جو نئے مرحلے کا نقشہ کارساتھ لیے پچھلے دنوں میدانِ عمل میں مصروفِ تگ و تاز تھا۔ ہمارے یہ بیش قیمت رفیق چوہدری علی احمد خاں تھے۔ مرحوم جماعت اسلامی میں آنے سے قبل محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔ لیکن اس محکمے کے معروفِ عام مزاج کے بخلاف ایک حساس دل اور ایک زندہ ضمیر اپنے سینے میں رکھتے تھے۔ مطالعہ کا شوق ابتدا سے تھا خصوصاً اعلیٰ پایے کا اسلامی لٹریچر، چاہے وہ کسی بھی ادارے سے شائع ہوتا ہو، تلاشِ حق کے سچے جذبہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑھتے رہے۔ اسی تلاشِ حق کے جذبے سے مختلف علما، و مفکرینِ اسلام سے خط و کتابت کی، اپنے اشکال ان کے سامنے رکھے اور ان کے باہمی اختلافات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ مرحوم کے پاس اکابر کے علمی خطوط کا ایک بیش بہا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا۔ تلاشِ حق کی یہی کاوش ان کو ایک ایک دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد جماعت اسلامی کے اندر لے آئی۔ آئے تو بالفاظ خویش کشتیاں جلا کر آئے، یعنی نوکری ترک کر دی اور رزقِ حلال کے حصول کے لیے بھلوال میں ایک چھوٹا سا ہوٹل کھول دیا جہاں وہ اپنے گاہکوں کی پیٹ کی بھوک مٹانے کا سروسامان بھی کرتے اور ان کے دلوں اور روحوں کی غذا بھی پیش کرتے۔ اس معاشی تگ و دو کے ساتھ دینی پہلو سے بھی اور جدید علوم کے پہلو سے بھی اپنا مطالعہ روز افزوں رفتار سے جاری رکھا۔ کتابیں خریدنے کا شوق تھا، چنانچہ ایک بیش قیمت ذاتی لائبریری چھوڑی ہے۔ اس لحاظ سے اپنے آپ کو علمی حیثیت سے تھوڑی سی مدت میں ترقی کے جس مرتبے پر پہنچایا، اس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں تقریر و تحریر کی استعداد بہم پہنچا کر زبان و قلم سے تحریک اسلامی کی بیش بہا خدمات انجام دیں، اور متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے کچھ شائع ہو چکی ہیں اور بہت سا مواد قابلِ ترتیب و اشاعت ہے۔ پھر خوبی یہ ہے کہ یہ شخص جماعت اسلامی کی صفِ اول میں رہنے اور مختلف اہم انتظامی مناصب کو سنبھالنے کے باوجود ہمیشہ ایک سپاہی اور ایک کارکن رہا۔ تحریک کے دینی و سیاسی اور اصولی و اجتہادی پہلوؤں میں پورا توازن قائم کر کے سوچنے کے لحاظ سے بھی مرحوم نے ایک اچھی مثال قائم کی۔ اوپر سے لے کر نیچے تک اپنے سے بڑے اور اپنے سے چھوٹے رفقا کے ساتھ یکساں محبت و بے تکلفی رکھنے، ذاتی رابطۂ قرابت پیدا کرنے، ذہن کو چھوٹی چھوٹی احساساتی الجھنوں سے صاف رکھنے، گفتگو میں ایک مسکراتے چہرے کو اپنا ترجمان بنانے اور کارِ دعوت کے لیے ہر طبقے میں نفوذ کرنے کی مختلف خوبیاں ایک ہی شخصیت میں جمع ہو گئی تھیں۔ جماعت نے جو کام جس مرحلے میں سونپا اسے ذوق و شوق سے لبیک کہا اور پھر اسے خلوص و محنت سے سرانجام دے کر، امیرِ جماعت، ارکانِ مجلس شوریٰ اور جملہ رفقا کے دلوں میں خاص جگہ حاصل کی۔ چنانچہ ماضی قریب میں مشرقی پاکستان میں تھوڑا سا عرصہ کام کر کے حالات کو اتنا آگے بڑھا دیا کہ اس کا صحیح اندازہ امیرِ جماعت کے دورۂ مشرقی پاکستان پر ہوا۔ حال میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حلقہ لائل پور کو تنظیمی لحاظ سے مضبوط تر بنانے کی جو طوفانی جدوجہد انھوں نے شروع کی تھی اس کے نتائج چند ہی دنوں میں محسوس ہونے لگے تھے۔ ابھی خدا کے دین کا یہ سپاہی اپنے گھر بار اور اپنی صحت تک سے بے پروا ہو کر دوڑ دھوپ میں محو ہی تھا کہ عین حالتِ سفر میں عالم جاودانی سے بلاوا آگیا۔ اپنے ساتھیوں کو غمزدہ چھوڑ کر اچانک رخصت ہو جانے والے اس قیمتی رفیق کو خداوند تعالیٰ اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ہمیں اس کی مثال سے سبق لینے کی توفیق دے۔ جماعت کی صفوں میں اس کی کمی کو پورا کرے اور اس کے اہل وعیال اور اعزہ واقربا کو صبرِ جمیل عطا کرے۔

ہم سب اللہ کے ہیں، اور ہمیں اسی کے حضور لوٹ کر جانا ہے

© rasailojaraid.com